SHABANA PERVEEN
Asst. Professor, Dept. of URDU
Vaishali Mahila College, Hajipur (B.B.A, Bihar University, Muzaffarpur)

B.A (H) Part II , PAPER -III

TOPIC:KIS SHER KI AAMAD HAI KE RAN KANP RAHA HAI:MERZA DABEER

شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے: مرزا دبیر

مرثیہ شعری اصناف میں اپنی شش جہت خصوصیات کے سبب حد درجہ مقبول و معروف ہے۔ یہ اردو ادب کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔اس کا شمار نہ صرف اردو شاعری کی مقبول ترین صنف میں ہوتا ہے بلکہ عالمی ادب میں اسے رزمیہ شاعری کے مقابلے میں رکھا جاتا ہے۔

اردو مرثیہ نگاری میں یوں تو ہزاروں ہزار مرثیہ نگار ہیں مگر اس فن میں جو شہرت و مقبولیت میر انیس اور مرزا دبیر کو حاصل ہوئی وہ آج تک کسی کا مقدر نہ ہو سکی۔ زیر نظر اکائی میں مرزا سلامت علی دبیر کی شخصیت، ادبی خدمات، پس منظر اور مرثیہ گوئی کے حوالے سے گفتگو کریں گے، اور ان کے ایک اہم مرثیہ ''کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے'' کا متن اور مفہوم پیش کریں گے۔آخر میں سبق کا خلاصہ، مشکل الفاظ کے معنی، ممکنہ سوالات اور مطالعے کے لئے معاون کتابوں کی فہرست بھی ہوگی۔

مرثیہ اردو کی نہایت ترقی یافتہ، مستند اور متحرک صنف سخن ہے۔اس کی ابتدا ذاتی، شخصی اور تاثراتی نظموں سے ہوئی۔ پہلے مرثیہ ایسی نظموں کو کہتے تھے جس میں کسی بڑی شخصیت یا کسی کے جگر کے ٹکڑے کے انتقال پر اظہار غم کیا جاتا تھا۔ مگر واقعات کربلا کے رونما ہونے کے بعد مرثیہ اس نظم کے لئے مخصوص ہو گیا جو حضرت امام حسینؑ اور ان کے رفقا کی شہادت کو موضوع سخن بنا کر مذہبی عقیدت اور غم والم کے جذبات کے ساتھ قلم بند کیا جائے۔ مرثیہ عہد قدیم سے مختلف ہیئتوں اور اجزا کی تبدیلیوں سے گزرتا ہوا سودا و میر اور خلیق و ضمیر کے عہد تک پہنچا۔ سودا نے پہلی بار مرثیے کے لئے مسدس کی ہیئت مقرر کی اور ضمیر نے اجزائے ترکیبی متعین کئے، جن کی پابندی مرثیے میں منطقی ربط و تسلسل کے لئے ضروری قرار پائی۔اس راہ پر چلنے والے سینکڑوں مرثیہ گویوں میں میر انیس اور مرزا دبیر آسمان مرثیہ گوئی کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جن کی تابانی کل بھی ویسی ہی تھی جیسی آج ہے۔انیس اگر فصاحت کے بادشاہ ہیں تو دبیر شوکت الفاظ کے شہنشاہ۔

دبیر: تعارف اور ادبی خدمات:

ہوئے۔''بخت دبیر'' مادۂ تاریخ ہے،جس سے ۱۲۱۸ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔۱۸۷۵ء میں دہلی ہی میں رحلت فرمائی اوراپنے مکان کے احاطے میں مدفون ہوئے۔

مرزا دبیرایرانی النسل تھے۔ان کے مورث اعلیٰ ملاہاشم شیرازی ایران کے مشہورشاعرملااہلی شیرازی کے حقیقی بھائی تھے۔ان کے والدمرزاغلام حسین اوردادامرزاغلام محمد تھے۔غلام محمد کے والد مرزامحمدرفیع اپنے عہدکے فارسی کے اہم شاعر تھے۔والدکوبھی شعروسخن سے دلچسپی تھی۔دہلی کی تباہی کے بعددبیرکے والدمرزاغلام حسین لکھنؤ چلے آئے۔اس وقت دبیرکم سن تھے۔چنانچہ دبیرکی تعلیم وتربیت لکھنؤ میں ہی ہوئی۔علوم متداولہ،عربی وفارسی،صرف ونحو،منطق وفلسفہ اورادب وحکمت کا درس مولوی غلام ضامن سے لیا۔قرآن وحدیث وفقہ وتفسیرکی تعلیم مولوی کاظم علی اور فارسی کے کچھ اسباق مہدی مازندرانی سے حاصل کئے۔ڈاکٹرذاکرحسین فاروقی نے''دبستان دبیر''میں لکھا ہے کہ مرزاصاحب کی علمی حیثیت بہت بلندتھی۔عربی وفارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے،تمام علوم عقلی اورنقلی پرمتصرف تھے اورطبقہ علمامیں شمارکئے جاتے تھے۔اپنی بے پناہ ذکاوت وذہانت کے سبب اٹھارہ انیس سال میں فارغ التحصیل ہوگئے اورخوداستادی کے درجہ تک پہنچ گئے۔

مرزادبیراردومرثیے کاایک روشن باب ہیں۔ان کے ذکرکے بغیراردومرثیے کی تاریخ ہمیشہ نامکمل رہے گی۔لکھنؤ میں جس وقت دبیرمرثیہ گوئی کی طرف متوجہ ہوئے اس وقت لکھنؤ میں دولت،عیش وآرام اورفارغ البالی کی فضاتھی۔ان حالات نے خودبہ خودشعروادب کی آبیاری میں حصہ لیا۔فرماں روایان اودھ کی مذہبی رواداری نے اہل لکھنؤ کوخصوصی طورپرعزاداری کی طرف مائل کیا۔چنانچہ مرثیہ کسی خاص فرقے،جماعت یامذہب کے لئے مخصوص نہ ہوکرتہذیب کاایک حصہ بن گیا۔

دبیرنے جس وقت مرثیہ گوئی کا آغازکیااس وقت غازی الدین حیدرکی حکومت تھی۔انہوں نے دبیرکی حددرجہ قدردانی کی اورانہیں اپنے یہاں مرثیہ خوانی کی دعوت دی۔یہ اس زمانے میں بہت بڑی بات تھی۔

دبیربسیارگو تھے۔انہوں نے۷۴ برس کی عمرپائی۔بارہ تیرہ برس کی عمرسے مرثیہ کہنے لگے۔اس طرح اس دشت کی سیاحی میں عمرعزیزکےتقریباً ۶۲ سال گزارے۔اس طویل عرصے میں کتنے مرثیے کہےاس کااندازہ لگانامشکل ہے۔کہاجاتاہے کہ ان کے مرثیوں کی تعدادہزاروں تک جاتی ہے۔ہرمہینے ایک تازہ مرثیہ کہہ لینے کی صلاحیت کاذکراکثر ناقدین ومحققین نے کیاہے۔دبیرکے یہاں ہرقمری مہینے کی گیارہویں تاریخ کوایک مجلس ہوتی تھی،جس میں ہرماہ دبیرایک نیامرثیہ تخلیق کرتے اورپڑھتے تھے:

نیا مرثیہ نظم ہوتاہے ہر مہ
دبیر اس کو سمجھو مہینہ ہمارا

دبیرسلام ورباعی پربھی استادانہ گرفت رکھتے تھے۔سلام ورباعیوں کابھی ایک بڑاذخیرہ دبیرکی یادگارہے۔ساتھ ہی ان کی تقریباً چارہزارسے زائداشعارپرمشتمل مثنوی''احسن القصص''بھی ہے،جس میں چہاردہ معصومین کے حالات رقم کئے گئے

ہیں۔دبیر کی ایک اور مثنوی ''معراج نامہ'' بھی ہے۔اردو نثر کا ایک اہم نمونہ ''ابواب المصائب'' بھی ہے،جس کا سال تصنیف ۱۸۲۹ء ہے،کئی اعتبار سے اس کی تاریخی اہمیت ہے۔اس میں سورۂ یوسف کی تشریح کرتے ہوئے حضرت یوسف کے مصائب کا کربلا کے مصائب سے موازنہ کیا گیا ہے۔

غرض یہ کہ مرزا دبیر اپنے فن کے استاد کامل تھے۔ان کا مقابلہ وموازنہ انیس سے کرنے کی بجائے یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دبیر کا اپنا راستہ ہے، جو انہیں انیس سے الگ کرتا ہے۔

ادبی پس منظر:

نواب شجاع الدولہ کے انتقال (۱۷۷۵ء) کے بعد پایہ تخت فیض آباد سے لکھنؤ منتقل ہوا اور نواب آصف الدولہ تخت نشیں ہوئے۔آصف الدولہ کے ساتھ لکھنؤ کی سماجی،ثقافتی اور علمی وادبی سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔عزاخانے کثرت سے تعمیر ہوئے۔مرثیہ گوئی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ظاہر ہے مرثیے کے عروج کا بڑا سبب امرا وسلاطین کی اس سمت توجہ تھی۔آصف الدولہ کے علاوہ وزیر علی خاں،سعادت علی خاں،غازی الدین حیدر،نصیر الدین حیدر،محمد علی شاہ،امجد علی شاہ،واجد علی شاہ وغیرہ کی سرپرستی میں مرثیہ اور مرثیہ گویوں نے ترقی کے اعلی مدارج طے کئے۔اس دور کے مرثیہ گویوں میں حیدری،سکندر،گدا،احسان اور افسردہ قابل ذکر ہیں۔اس عہد کو لکھنؤ میں اردو مرثیے کے عروج کا ''دور اول'' کہا جاتا ہے۔

اس دور کے مرثیے عام طور پر مخمس،مربع،مثلث،مثنوی وغیرہ ہیئتوں میں ملتے ہیں۔

لکھنؤ میں اردو مرثیہ کے دوسرے دور کے اہم مرثیہ گویوں میں خلیق،ضمیر،فصیح اور دلگیر کے نام آتے ہیں۔لکھنؤ میں مرثیہ گوئی کے اس دور کو ''دور تعمیر'' کا نام دیا جاتا ہے۔اس دور میں اردو مرثیے نے خاطر خواہ ترقی کی۔اس میں ربط وتسلسل سے کام لیا جانے لگا،واقعات تفصیل سے بیان ہونے لگے۔رخصت،آمد،رجز،جنگ،شہادت اور بین وغیرہ پر توجہ دی جانے لگی۔مرثیے کے لئے مسدس کی ہیئت مقرر ہوئی اور اس کے اجزائے ترکیبی متعین ہوئے۔طویل مرثیہ لکھنے کا رواج عام ہوا۔

لکھنؤ میں عزاداری کے اس دور کے پہلو بہ پہلو جو دور آیا اسے مرثیے کا ''دور عروج'' یا ''عہد زریں'' کہا جاتا ہے۔یہ میر انیس،مرزا دبیر،میر عشق اور تعشق کا زمانہ ہے۔اپنے معاصرین ومتقدمین میں میر انیس ومرزا دبیر نے مرثیہ گوئی میں کچھ اس طرح قدر ومنزلت پائی اور مرثیہ گوئی کی ایسی شاندار تاریخ مرتب کی جس کا جواب لانا کل بھی مشکل تھا اور آج بھی مشکل ہے۔کہا جاتا ہے کہ اگر انیس فصاحت کے بادشاہ تھے تو دبیر شوکت الفاظ کے شہنشاہ۔

میر انیس ومرزا دبیر ایک ہی عہد اور ماحول کے پروردہ تھے۔ان کی شاعری کا موضوع بھی ایک ہی تھا،لیکن اسلوب اور طرز نگارش میں واضح فرق موجود تھا۔اس کی بڑی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ دبیر نے اپنے عہد کے مزاج ومعیار اور مذاق کے مطابق تحصیل علم پر حد درجہ وقت صرف کیا۔مشق ومزاولت کے سبب ان کی تخلیقی صلاحیتیں روز بہ روز نکھرتی رہیں۔جب دبیر کی مرثیہ گوئی کا شہرہ ہونے لگا تو اس وقت لکھنؤ میں غازی الدین حیدر (۱۸۱۴ء/۱۸۲۷ء) کا زمانہ تھا۔دبیر کی شہرت کا حال سن کر بادشاہ

غازی الدین حیدر نے دبیر کو دربار میں بلا بھیجا۔ دبیر نے دربار میں مرثیہ سنانے سے پہلے مرثیے کا یہ بند پڑھا:

واجب ہے حمد و شکر جناب الٰہ میں　　فضل خدا سے آیا ہوں کس بارگاہ میں
مجھ سا گدا اور انجمن بادشاہ میں　　چرچا یہ لوگ کرتے ہیں اس وقت راہ میں
ذرے پہ چشم مہر ہے ، مہر منیر کو
حضرت نے آج یاد کیا ہے دبیر کو

دبیر کے مرثیوں کا مطالعہ کرنے والا سنجیدہ قاری اور ناقد اس بات کا اندازہ بہ خوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے مرثیوں میں دو پیرایہ اظہار کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ اور بین کے مناظر پیش کرتے ہوئے ان کا رہوار قلم شوکت الفاظ سے پُر اور آراستہ و پیراستہ نظر آتا ہے، لیکن شہادت اور بین کے موقع کی عکاسی کرتے ہوئے ان کے یہاں تاثیر آفرینی، سوز و گداز اور رقت کا سماں نظر آتا ہے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ رثائیہ مضامین قلم بند کرنے کے اعتبار سے دبیر کے مرثیے اردو کی رثائی شاعری میں بیش بہا اضافہ ہیں۔

شامل نصاب مرثیہ کا اقتباس (ابتدائی دس بند):

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے　　رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے
ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے　　سب ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

ہیبت سے ہیں نہ قلعہ افلاک کے در بند　　جلاد فلک بھی نظر آتا ہے نظر بند
وا ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمر بند　　سیارے ہیں غلطاں صفت طائر پر بند
انگشت عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
جبریل کے پنجے سے علم چھوٹ پڑا ہے

خود فتنہ دثر پڑھ رہے ہیں فاتحہ خیر　　کہتے ہیں انا العبد لرز کر صنم دیر
جاں غیر ہے تن غیر مکیں غیر مکاں غیر　　نے چرخ کا ہے دور نہ سیاروں کی ہے سیر
سکتے میں فلک خوف سے مانند زمیں ہے
جز بخت یزید اب کوئی گردش میں نہیں ہے

بے ہوش ہے بجلی پہ سمندان کا ہے ہشیار　　خوابیدہ ہیں سب طالع عباس ہے بیدار
پوشیدہ ہے خورشید علم ان کا نمودار　　بے نور ہے منہ چاند کا رخ ان کا ضیا بار
سب جزو ہیں کل رتبے میں کہلاتے ہیں عباس
کونین پیادہ ہیں سوار آتے ہیں عباس

چمکا کے مہ و خور زرہ و نقرہ کے عصا کو　　سرکاتے ہیں پیر فلک پشت دوتا کو
عدل آگے بڑھا حکم یہ دیتا ہے قضا کو　　ہاں باندھ لے ظلم و ستم و جور و جفا کو
گھر لوٹ لے بغض و حسد و کذب و ریا کا
سر کاٹ لے حرص و طمع و مکر و دغا کا

راحت کے محلّوں کو بلا پوچھ رہی ہے　　ہستی کے مکانوں کو فنا پوچھ رہی ہے
تقدیر سے عمر اپنی قضا پوچھ رہی ہے　　دوزخ کا پتہ فوج جفا پوچھ رہی ہے
غفلت کا تو دل چونک پڑا خوف سے ہل کر
فتنے نے کیا خواب گلے کفر سے مل کر

ہے شور فلک کا کہ یہ خورشید عرب ہے　　انصاف یہ کہتا ہے کہ چپ ترک ادب ہے
خورشید فلک پر تو عارض کا لقب ہے　　یہ قدرت رب قدرت رب قدرت رب ہے
ہر ایک کب اس کے شرف و جاہ کو سمجھے
اس بندے کو وہ سمجھے جو اللہ کو سمجھے

یوسف ہے یہ کنعاں میں سلیماں ہے سبا میں　　عیسیٰ ہے مسیحائی میں موسیٰ ہے دعا میں
ایوب یہ صبر میں یحییٰ ہے بکا میں　　شبیر ہے مظلومی میں حیدر ہے وغا میں
کیا غم جو نہ مادر نہ پدر رکھتے ہیں آدم
عباس سا دنیا میں پسر رکھتے ہیں آدم

صحرا میں گرا پرتو عارض جو قضارا　　سورج کی کرن نے کیا شرما کے کنارا
یوں دھوپ اڑی آگ پہ جس طرح سے پارا　　موسیٰ کی طرح غش ہوئے سب کیسا نظارا
جز مدح نہ دم روشنی طور نے مارا
شب خون عجب دھوپ میں اس نور نے مارا

قربان ہو اے علم شاہ امم کے　　شب خار ہرے ہو کے بنے سرو ارم کے
ہیں راز عیاں خالق ذوالفضل و کرم کے　　جبریل نے پر کھولے ہیں دامن میں علم کے
پرچم کا جہاں عکس گرا صاعقہ چمکا
پرچم کہیں دیکھا نہ سنا اس چم و خم کا

تجزیاتی مطالعہ:

''کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے'' مرزا دبیر کے مشہور ترین مرثیوں میں سے ایک ہے۔ یہ مرثیہ ان کے مراثی کے مجموعے ''دفتر ماتم'' جلد اول میں شامل ہے اور ۱۴۳ بند پر مشتمل ہے، اور لشکر حسینی کے سپہ سالار حضرت عباس علم دار کی شجاعت، جنگ اور شہادت کے بیان کا احاطہ کرتا ہے۔ حضرت عباسؑ امام حسینؑ کے مختلف البطن بھائی تھے اور حضرت علی کی دعاؤں

کانتیجہ تھے۔ یہ امام حسین پر دل وجان سے اس طرح فدا تھے، ایسے جاں نثار اور باوفا تھے کہ ''باوفا'' ان کے نام کا جزو بن گیا۔ دلیری، شجاعت، جرأت اور بہادری میں آج تک اپنی مثال آپ ہیں۔ امام حسین نے انہیں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی بلکہ انہیں فقط پیاسی بچی سکینہ کے لئے نہر فرات سے پانی لانے کی اجازت ملی تھی۔ نہر پر یزیدی لشکر کا سخت پہرہ تھا۔ حضرت عباس صفوں کو چیرتے ہوئے اپنی جان کی پروا کئے بغیر نہر سے مشکیزہ بھر لائے، مگر واپسی میں نرغہ اعدا میں گھر گئے اور شجاعت و دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔

موضوع کی مناسبت سے اس مرثیے میں پانی اور پیاس کی شدت کا ذکر مختلف انداز سے ہوا ہے۔ پھر چونکہ یہ حضرت عباس جیسے جلالت مآب کے حال کا مرثیہ ہے اس لئے تمہید کا پہلا ہی بند ایک خاص قسم کے جاہ وجلال اور رعب و دبدبے سے شروع ہوتا ہے:

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے
ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے سب ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

چہرے کے دس بندوں میں زبان کا زور، بیان کی لطافت، صنعتوں کا حسن اور تلمیحات کا تسلسل قابل دید ہے۔ سراپا کے چند بند کے بعد گھوڑے کی تعریف میں تین بند ہیں۔ ہیرو کی میدان جنگ میں آمد کے حوالے سے سات بند ہیں جس میں حضرت عباس کی میدان جنگ میں آمد، ان کی آمد سے فوج مخالف میں تلاطم برپا ہونا اور دشمنوں میں خوف وہراس کا ذکر ہے۔ اس کے بعد رجز کے سات بند ہیں جن میں ہمت، جرأت، شجاعت، جواں مردی، بہادری اور دلیری کے عناصر بیش از بیش ہیں:

اب منہ سے کہا کچھ تو زباں میں نے قلم کی
کونین نے گردن مرے دروازے پہ خم کی

طاقت ہے ہماری اسداللہ کی طاقت
پنجے میں ہمارے ہے یداللہ کی طاقت
احمد ہے چچا میرا پدر حیدر صفدر وہ کل کا پیمبر ہے یہ کونین کا رہبر
اور مادر زینب کی ہے لونڈی مری مادر بھائی مرا اک عون ، دو عبداللہ و جعفر
اور شبر و شبیر ہیں سردار ہمارے
ہم ان کے غلام اور وہ مختار ہمارے

حضرت عباسؓ دشمنوں کو للکارتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ ان کی نبرد آزمائی سے فوج عدو پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ حضرت عباسؓ دشمنوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

پانی مجھے اک مشک ہے اس نہر سے درکار
بھر لینے دو مجھ کو نہ کرو حجت و تکرار

لیکن دشمن راضی نہ ہوئے اور تکرار پر اتر آئے:

چلائے ستمگر ہے گزر نہر پہ دشوار

اس کے جواب میں حضرت عباس نے فرمایا:

لو سیل کو اور برق شرر بار کو روکو
رہوار کو روکو مری تلوار کو روکو

.....

یہ کہہ کے کیا اسپ سبک تاز کو مہمیز
بجلی کی طرح کوند کے چمکا فرس تیز

اس کے بعد عباس دلاور دشمنوں پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ جنگ کرتے ہوئے نہر کے کنارے پہنچتے ہیں، خالی مشکیزہ بھرتے ہیں مگر واپس ہوتے ہوئے دشمنوں کے نرغے میں آ جاتے ہیں۔ نوفل بن ارزق کی تلوار سے یکے بعد دیگرے دونوں بازو قلم ہوتے ہیں، مشکیزہ دانتوں سے تھام لیتے ہیں مگر ایک تیر مشکیزے پر لگنے اور پانی کے بہہ جانے سے ہمت جواب دینے لگتی ہے۔ اسی اثنا میں ایک گرز سر پر آ لگتا ہے جس کے سبب جام شہادت نوش فرماتے ہیں۔ شہادت کے کئی بند ہیں مگر صرف ایک بند ملاحظہ کیجئے:

سقے نے کٹی بانہوں پہ مشکیزے کو رکھ کر مانند زباں منہ میں لیا تسمہ سراسر
ناگاہ کئی تیر لگے آ کے برابر اک مشک پہ اک آنکھ پہ اور ایک دہن پر
مشکیزے سے پانی بہا اور خوں بہا تن سے
عباس گرے گھوڑے سے اور مشک دہن سے

اس کے بعد چند بند بین کے ہیں، جس میں امام حسین کے علاوہ جناب زینب کے بین و بکا کے کلمات بھی ہیں:

یہ غل تھا جو مولیٰ لئے مشک و علم آئے خیمے میں کمر پکڑے امام امم آئے
اور گرد علم بال بکھیرے حرم آئے زینب سے کہا شہ نے بہن لٹ کے ہم آئے
بھائی کے یتیموں کی پرستار ہو زینب
تم مہتمم سوگ علم دار ہو زینب

زینب نے کہا ہیں مری قسمت کے یہی کام دینے لگی ماتم کے سیہ جوڑے وہ ناکام
فضہ سے کہا سوگ کا کرتی ہوں سر انجام ٹھنڈا ہوا ہے ہے علم لشکر اسلام
زہرا کا لباس اپنے لئے چھانٹ رہی ہوں
عباس کا ملبوس عزا بانٹ رہی ہوں

دبیر کی مرثیہ گوئی کی خصوصیات:

دبیر اردو مرثیے کا ایک روشن باب ہیں۔ انہوں نے اردو مرثیہ کو لفظی و معنوی رعایتوں سے آراستہ کیا، اور ایسے مضامین دیئے جن سے نہ صرف اردو مرثیہ بلکہ اردو زبان مالا مال ہوگئی۔ کہا جا سکتا ہے کہ موضوع کے اعتبار سے ان کے مراثی واقعات و روایات کا خزانہ ہیں، اور یہی سبب ہے کہ ارباب نقد و بصر اور صاحبان ذوق کی آنکھوں کا سرمہ بھی ہیں۔ مرثیے کا ڈھانچہ دبیر کو اپنے استاد میر ضمیر سے ملا اور دبیر نے اس خوبی سے اس پر عمل کیا اور لفظی و معنوی صنعتوں کا ایسا برمحل استعمال کیا جو انہیں کے ساتھ منسوب ہو کر رہ گیا۔ جذبات نگاری، سراپا نگاری، منظر نگاری، مکالمہ نگاری اور رزم نگاری کے بہترین مرقعے ان کے مرثیوں کا وصف ہیں۔ دبیر نے اپنے مرثیوں کے چہروں میں مضمون آفرینی، زور طبیعت اور شوکت الفاظ کے دریا بہا دیئے ہیں۔ اسی طرح سراپا لکھتے ہوئے ایسا زور قلم صرف کیا ہے کہ خود ان کا بیان ہے۔ ''مضمون بھی اپنا نہیں لڑتا ہے کسی سے'' دبیر کے مرثیوں میں رخصت کا منظر بڑا درد انگیز اور جذبات سے پُر ہوتا ہے۔ بیان میں سادگی بھی ہوتی ہے اور انسانی جذبات کی مصوری میں کیفیات کا تنوع بھی پایا جاتا ہے۔ رخصت کے بعد آمد کے مناظر پیش کرنے میں بھی مرزا دبیر کو یدطولیٰ حاصل ہے۔ ہیرو کی میدان جنگ میں آمد کا بیان اس انداز، شوکت الفاظ اور طنطنے سے ہوتا ہے کہ نہ صرف جنگ کا سارا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے بلکہ اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ جب آمد اس قدر دھوم دھام کے ساتھ ہے تو پھر جنگ کیسے ہوگی۔ شامل نصاب مرثیہ کی آمد کا بند دیکھئے:

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے — رستم کا جگر زیر کفن کانپ رہا ہے
ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے — سب ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

رجز اور جنگ کے مناظر پیش کرتے ہوئے دبیر نے لفظوں کے انتخاب و استعمال، تشبیہات و استعارات اور صنعتوں کا ایسا جال بچھایا ہے جو انہیں اردو مرثیہ کی تاریخ میں اعلیٰ منصب عطا کرتا ہے۔ ہیرو کی اپنے وارثین سے رخصت ہو یا میدان جنگ میں آمد، رجز کا بیان ہو یا جنگ کے مناظر، دبیر ہر موقع پر ایسی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں کہ ہیرو کی بالادستی کا سماں آنکھوں میں پھرنے لگتا ہے۔ حضرت عباس جس وقت میدان جنگ میں دشمنوں کی صفوں کو للکارتے ہیں اس وقت کا منظر دیکھئے، کس طرح پوری کائنات کے نظام کو درہم برہم دکھایا گیا ہے:

بجلی گری بجلی پہ اجل ڈر کے اجل پر — اک زلزلہ طاری ہوا گردوں کے محل پر
سیارے ہٹے کر کے نظر تیغ کے پھل پر — خورشید تھا مریخ پہ، مریخ زحل پر
یہ ہول دیا تیغ درخشاں کی چمک نے
جوتاروں کے دانتوں سے زمیں پکڑی فلک نے

مرثیوں میں مکالمہ نگاری کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ پیش نظر مرثیے سے مکالمہ نگاری کی مثال کے طور پر محض ایک بند ملاحظہ کیجئے:

بولا وہ لرز کر کہ ہوا مجھ کو بھی وسواس　　شمشیر خدا کون؟ عمر بولا کہ عباس
اس نے کہا پھر فتح کی کیوں کر ہے تجھے آس؟　　بولا کہ کئی روز سے اس شیر کو ہے پیاس
ہم بھی ہیں بہادر نہیں ڈرتے ہیں کسی سے
پر روح نکلتی ہے تو عباس علی سے

مرثیوں کا اصل مقصد اپنے ممدوح کے رنج والم اور شہادت پر اظہار غم کرنا اور آنسو بہانا ہوتا ہے۔ مرثیہ کا اختتام شہادت اور بین پر ہوتا ہے۔ دبیر بین لکھنے میں بقول سفارش حسین رضوی انیس سے بہت آگے ہیں۔ ان کا بیان ایسا دلگداز اور جگر خراش ہوتا ہے کہ سخت سے سخت دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔